نمبر شمار	باب	قول امام احمدؒ	دوسرے ائمہ کے اقوال	حوالہ
۴	باب المساقاۃ	مساقات اور مزارعہ جائز ہے۔	(۱) نہ مساقات جائز ہے نہ مزارعت۔ (امام ابو حنیفہؒ) (۲) مزارعت جائز ہے۔ (صاحبین) (۳) مساقات جائز ہے مزارعت جائز نہیں۔ (امام مالکؒ) (۴) مساقات جائز ہے اور مزارعت مساقات کے تبع ہو کر جائز ہے بغیر اس کے جائز نہیں۔ (امام شافعیؒ)	ص۔ ۱۰/۳۹۹
۵	باب انقلاب الدعوی... الخ	بوقت وصیت اگر کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو دو ذمیوں کو گواہ کر لینا چاہئے اور ان کی شہادت مع یمین معتبر ہوگی۔	وصیت کے وصیت مسلمانوں پر ذمیوں کی شہادت مقبول نہیں۔ (باقی ائمہ ثلاثہ)	ص۔ ۲/۱۰۱

ایسے مختلف فیہ ابواب و مسائل جن میں شاہ صاحب کا رجحان ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور مجتہد کی طرف ہے۔

نمبر شمار	باب	اسحٰق بن راہویہ	حسن بصری	حوالہ
۱	باب الحامل اذا خافت... الخ	حاملہ اگر خائف ہیں تو فدیہ دیں بغیر قضا، اور اگر حاملہ ہیں تو قضا کریں بغیر فدیہ		ص۔ ۲/۲۵۱
۲	باب الوضوء من الرعاف والحجامات		ماخرج من السبیلین اور نوم سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور مس مرأۃ، مس ذکر، قے اور رعاف سے نہیں ٹوٹتا۔	ص۔ ۲/۳۶

یہ مسائل جن میں شاہ صاحب نے صراحۃً اپنا رجحان ظاہر کیا ہے کل ۶۷ ہیں۔ ان میں سے مختلف ائمہ کی طرف ان کے رجحان کا تناسب حسب ذیل ہے۔

امام شافعیؒ ۴۷ — امام ابو حنیفہؒ ۷ — امام مالکؒ ۶ — امام احمدؒ ۵ — حسن بصریؒ ۱ — اسحٰق بن راہویہؒ ۱

گویا امام شافعیؒ کی طرف رجحان کا تناسب ۷۰ فیصد سے زیادہ ہے۔

انعامی بانڈز کا شرعی حکم

غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ کراچی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

پاکستان میں انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا سلسلہ عام ہے، حکومت پچاس، سو، پانچ سو اور ہزار روپیہ کی قیمت کے بانڈز جاری کرتی ہے اور سو روپیہ کے بانڈز کی ہر دوسرے ماہ اور باقی سیریز کی باری باری ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ حکومت پچاس ہزار سے لے کر پانچ لاکھ تک کے انعامات خریداروں میں تقسیم کرتی ہے۔ خریدنے کے بعد خریدار کی اصل رقم محفوظ رہتی ہے اور خریدار بانڈز کی رقم کو پاکستان کے کسی بھی بینک کے ذریعہ جب چاہے کیش (Cash) کرا سکتا ہے اور جتنی رقم کے بانڈز ہوں خریدار کو اتنی رقم پوری مل جاتی ہے البتہ گیارہ روپے والے بانڈز جس میں ایک لاکھ روپیہ انعام رکھا گیا ہے، ان کو حکومت گیارہ روپے میں فروخت کرتی ہے اور جب خریدار اس کو فروخت کرے تو حکومت دس روپے میں واپس لیتی ہے۔

گیارہ روپے والا بانڈ جس میں دس روپے واپس ملتے ہیں (یہ اسکیم اب ختم کر دی گئی ہے) بالاتفاق ناجائز ہے۔ تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس کو قمار (جوا) قرار دے کر ناجائز کہا ہے۔ اس کے علاوہ باقی بانڈز جن میں خریدنے والے کو اصل رقم پوری کی پوری بغیر کسی کمی بیشی کے جب چاہے مل جاتی ہے لیکن اس میں خریدنے والوں کو ترغیب دینے کے لیے قرعہ اندازی کے ذریعہ جو انعام دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اہل علم کے اندر اس کے شرعی حکم میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض علماء اس کو قمار یا ربوٰ (سود) قرار دے کے ناجائز کہتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں پہلے دوسرے علماء کی آراء پیش کریں گے۔ اس کے بعد اپنا موقف بیان کریں گے۔

انعامی بانڈز میں مولانا مودودی کا موقف

انعامی بانڈز کے معاملہ میں صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈز بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے مختلف کاموں میں لگانے کے لئے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا مگر اب جملہ رقم کا سود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے "انعامات" کی شکل میں دیا جاتا ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ "انعامات" کن کو دیے جائیں، قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ پہلے ہر وثیقہ دار کو سود کا لالچ دے کر اس سے قرض لیا جاتا تھا، اب اس کے بجائے ہر ایک کو یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ شاید ہزاروں روپے کا انعام تیرے ہی نام نکل آئے۔ اس لیے قسمت آزمائی کرے۔

یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں بھی سود ہے اور روح قمار بھی، جو شخص یہ وثائق خریدتا ہے وہ اولاً اپنا روپیہ جان بوجھ کر ایسے کام میں قرضے کے طور پر دیتا ہے جس میں سود لگایا جاتا ہے۔ ثانیاً جس کے نام پر "انعام" نکلتا ہے اسے دراصل وہ سود اکٹھا ہو کر ملتا ہے جو عام سودی معاملات میں فرداً فرداً ایک ایک وثیقہ دار کو دیا جاتا تھا۔ ثالثاً جو شخص بھی یہ وثیقے خریدتا ہے وہ مجرد قرض نہیں دیتا بلکہ اس لالچ میں قرض دیتا ہے کہ اسے اصل سے زائد "انعام" ملے گا اور یہی لالچ دے کر قرض لینے والا اس کو قرض دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے۔ رابعاً جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے، جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سود، جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن (قرض دار) کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے انہیں نہیں ملتا بلکہ قرعہ کے ذریعے سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے۔ (ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۶۳ء)

انعامی بانڈز میں علماء دیوبند کا موقف

دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ تمام علماء انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہتے ہیں ہم نے اس سلسلے میں دیوبندی مکتب فکر کے نمائندہ دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ایک مفصل و مدلل فتویٰ منگوایا جسے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کو شیخ محمد ولی حسین نے شیخ عبدالسلام کی تصدیق سے دارالافتاء جامعہ العلوم الاسلامیہ کی مہر کے ساتھ جاری کیا ہے۔ اصل فتویٰ کا متن حسب ذیل ہے:

انعامی بانڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے حقیقتاً یہ سود کی ایک شکل ہے، انعامی بانڈز کے انعام میں ملنے والی رقم حرام ہے، اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

بینک جب انعامی بانڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور سیریز کے ذریعہ جو رقم وہ پبلک سے کھینچتا ہے اس

رقم کو بینک کسی شخص یا ادارے کو سودی قرض پر دے دیتا ہے، اس سود سے جو رقم موصول ہوتی ہے بینک اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنہوں نے انعامی بانڈز لیے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم انعام کے نام پر ملتی ہے وہ حقیقتاً سود کی رقم ہے، اگرچہ بینک اس کو ہزار مرتبہ انعام کہے، یہ سودی رقم اس حدیث کے زمرے میں آتی ہے "کل قرض جر نفعا فھو حرام" "ہر وہ قرض جس کے ذریعہ نفع کمایا جائے وہ حرام ہے" چنانچہ اس میں بھی انعامی بانڈز خریدنے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سود کی شکل میں نفع دیا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، اگر اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا جائے جیسے کہ بعض جواز کے قائل اٹھاتے ہیں، انعامی بانڈز میں بانڈز لینے والوں کی طرف سے اس نفع کی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ بینک والے اسے بطور انعام کے دیتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے کہ اگر مقروض بطور انعام کے قرض خواہ کو اصل قرض پر کچھ اضافہ کر کے دے تو جائز ہے۔ لیکن یہ ایک سطحی اور بچکانہ اشکال ہے اس لیے کہ فقہ کا ایک مشہور اصول ہے "المعروف کالمشروط" کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے یعنی جو چیز لوگوں میں عام رائج ہو اور پہلے سے ذہنوں میں طے شدہ ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ زبانی شرط لگانا چنانچہ اس صورت میں اگرچہ انعامی بانڈز لینے والے اس پر سود لینے کی شرط نہیں لگاتے لیکن ہر انعامی بانڈز لینے والے کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے مجھے اپنی اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی بصورت دیگر کوئی شخص بھی انعامی بانڈز نہ خریدے۔

ان دلائل کے علاوہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک انعامی بانڈز لینے والوں کی رقم کو سودی قرضہ پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بانڈز خریدنے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی انعامی بانڈز پر ملنے والا انعام جائز نہیں ہے اس لیے کہ مشارکت (Partnership) میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر ہی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ تجارتی اور شرعی اصول کے مطابق مشارکت کی تجارت میں جب نفع ہوتا ہے تو اس میں نفع سے ہر شریک کو اتنے فیصدی حصہ ملتا ہے جتنے فیصد اس نے روپیہ لگایا ہے، نفع کی تقسیم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ کرنا اس میں بہتوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے، زہر کو اگر تریاق کہا جائے تو وہ تریاق نہیں بنتا بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔

اگر کسی کے پاس انعامی بانڈز آ جاتے ہیں اس نے کسی ضرورت کی بنا پر خرید لیے ہیں اب اگر وہ ان کو قیمت خرید پر ہی فروخت کر دیتا ہے اور اس پر کوئی انعام یا نفع وغیرہ نہیں لیتا تو یہ جائز ہے۔ اھ

انعامی بانڈز میں مصنف کا موقف اور بحث ونظر

ہمارے نزدیک انعامی بانڈز کی بیع جائز ہے اور حکومت کی طرف سے اس کو خریدنے کی ترغیب کے

لیے جو انعام دیا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس انعام پر ربا یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی سید مودودی اور شیخ محمد شلتوت نے اس پر موضوعی انداز فکر سے گفتگو کی ہے۔ انہوں نے پہلے اس کو ناجائز فرض کر لیا پھر زبردستی اس کو قمار یا ربا کے معنی پہنا کر ناجائز قرار دے دیا ہم پہلے اس کے جواز کے دلائل ذکر کریں گے اور پھر سید مودودی اور شیخ محمد شلتوت کے پیش کردہ دلائل پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربو الفضل ہے؟

یہ دیکھنے کے لیے کہ انعامی بانڈز کا انعام ربا ہے یا نہیں یہ جاننا چاہیے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل، یہ انعام ربو الفضل اس لیے نہیں ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربو الفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد اور قدر معروف (کیل یا وزن) میں زیادتی ہے۔ اور یہاں جنس ایک نہیں ہے کیونکہ انعامی بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے انعامی بانڈز کے عوض نہیں ہوتی۔ اور ان کی جنس الگ الگ ہے (واضح رہے کہ جنس سے مراد مطلق جنس نہیں ہے) امام شافعی کے نزدیک ربو الفضل میں حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے ان کے نزدیک ربو الفضل سونے یا چاندی یا کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے انعامی بانڈز اس قبیل سے نہیں ہیں، امام مالک کے نزدیک ربو الفضل ان چیزوں سے ہو سکتا ہے، جن میں غذائیت ہو یا وہ چیزیں قابل ذخیرہ ہوں، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرمت کی علت ناپ اور تول ہے اور ربو الفضل صرف ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جب کی بیع ناپ اور تول سے کی جاتی ہو اور ظاہر ہے کہ بانڈز اس جنس سے نہیں ہیں، یہ مذاہب ہم نے امام رازی[3]، علامہ ابن رشد[4] اور علامہ الجزیری[5] کی کتابوں سے بیان کیے ہیں۔

نیز یہ ملحوظ رہے کہ ربو الفضل اس وقت ہوگا جب بانڈز کی بانڈز کے عوض زیادتی کے ساتھ ہو اور فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربو النسیئہ ہے؟

مذکور الصدر تفصیل سے واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی ربو الفضل نہیں ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ انعام ربو النسیئہ کا مصداق ہے یا نہیں، ہم ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق ربو النسیئہ (ادھار والا سود) کی تعریفات ذکر کر رہے ہیں۔ دراصل ربو النسیئہ میں ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں ایک معین مدت کے بعد اصل رقم سے زائد رقم لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد رقم کی مقدار بھی معین ہو وہ ربو النسیئہ ہے۔ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں سود کی اسی قسم کا رواج تھا۔ قرآن مجید نے اسی کو حرام قرار دیا ہے اور سود کی یہ قسم حرام قطعی ہے، امام رازی شافعی ربا النسیئہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اما ربا النسيئة فهو الامر الذى كان مشهوراً متعارفا فى الجاهلية و ذلك انهم

كانوا يدفعون المال على ان ياخذوا كل شهر قدرا معيناً ويكون راس المال باقيا ثم اذا حل الدين طالبوا المديون براس المال فان تعذر عليه الاداء زادوا فى الحق والاجل فهذا هو الربا الذى كانوا فى الجاهلية يتعاملون به.[6]

"ربا النسیئہ زمانہ جاہلیت میں مشہور و متعارف تھا کیونکہ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ اس کے عوض ہر ماہ ایک قدر معین لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر اس پر ادا کرنا دشوار ہوتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا اور سود بھی زیادہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا"۔

علامہ ابو الولید باجی ربا النسیئہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ان ربا الجاهلية كان ان يقول الذى له الدين عند اجله للذى عليه الدين اتقضى ام تربى يريد يزيد فى الدين فان اختاره ان يزيده فى الدين ليزيده فى الاجل فعل وهذا مما لا خلاف بين المسلمين فى تحريمه.[7]

"ربا جاہلیت یہ ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے کہے کہ تم قرض ادا کر رہے ہو یا میں سود کے عوض مدت میں اضافہ کر دوں؟ اگر مقروض سود کو مان لیتا تو قرض خواہ مدت میں اضافہ کر دیتا اس کے حرام ہونے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے"۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وكل قرض شرط فيه ان يزيده فهو حرام بغير خلاف قال ابن المنذر اجمعوا على ان المسلف اذا شرط على المستسلف زيادة او هدية فاسلف على ذلك ان اخذ الزيادة على ذلك ربا.[8]

"جس قرض میں اصل رقم سے زیادہ لینے کی شرط لگائی جائے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ قرض خواہ جب مقروض سے اصل سے زیادہ دینے لینے کی شرط لگائے تو اس پر اجماع ہے کہ اس زیادتی کا لینا سود ہے"۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ولا خلاف انه لو كان عليه الف درهم حالة فقال له اجلنى وازيدك فيها مائة درهم لا يجوز لان المائة عوض من الاجل (الى قوله) اذ جعله عوضا من الاجل و هذا هو الاصل فى امتناع جواز اخذ الابدال عن الآجال.[9]

"کسی شخص نے علی الفور ایک ہزار درہم دینے ہوں اور وہ یہ کہے مجھے مہلت دو میں ایک سو درہم زیادہ دوں گا تو اس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ سو درہم مہلت کے عوض ہیں، کیونکہ اس نے یہ سو درہم مدت کے عوض میں مقرر کیے ہیں اور مدت کے بدلہ میں معاوضہ لینے کے عدم جواز کی یہی اصل ہے"۔

نیز علامہ ابوبکر جصاص ربا الجاہلیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ربا الجاهلية وهو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض ۔[۱۰]

''ربا جاہلیت اس قرض کو کہتے ہیں جس میں مقروض پر مدت کی وجہ سے اصل مال پر زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو۔''

علامہ بدرالدین عینی حنفی ربا الجاہلیت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

كانوا في الجاهلية اذا حل اجل الدين اما ان يقضي واما ان يربي فان قضاه والا زاده في المدة وزاده الأخر في القدر و هكذا في كل عام فربما يضاعف القليل حتى يصير كثير امضاعفاً[۱۱]

''زمانہ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی تو یا تو قرض ادا کر دیا جاتا اور یا اس پر سود لگایا جاتا قرض خواہ مدت میں اضافہ کرتا تو مقروض اصل رقم پر اضافہ کرتا، ہر سال اسی طرح ہوتا حتی کہ قلیل رقم دوگنی چوگنی ہو کر کثیر ہو جاتی''۔

مذاہب اربعہ کے فقہا کی مذکور الصدر تعریفات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس قرض میں مدت معین کے بدلہ میں ایک شخص معین پر دوسرا شخص معین رقم معین کے اضافہ کی شرط لگائے وہ ربا النسیئہ ہے۔ اور انعامی بانڈز میں چونکہ مدت کے عوض اضافہ کی شرط نہیں ہوتی اس لیے اس پر ربا النسیئہ کی تعریف صادق نہیں آتی اور بغیر شرط لگائے اگر مقروض قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو یہ جائز ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان رجلا اتى النبى ﷺ يتقاضاه بعيرا فقال ﷺ اعطوه فقالوا ما نجد الاسنا افضل من سنة فقال الرجل او فيتني اوفاك الله فقال رسول الله ﷺ اعطوه فان من خيار الناس احسنهم قضاء[۱۲]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس آ کر اپنے اونٹ کا تقاضا کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو دے دو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ کی عمر سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے اس شخص نے کہا آپ مجھے پورا پورا دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا دے، آپ نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو کیونکہ بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں''۔

عن جابر بن عبدالله قال اتيت النبى ﷺ وهو في المسجد قال مسعر اراه قال ضحى فقال صل ركعتين وكان لي عليه دين فقضاني وزادني۔[۱۳]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آں حالیکہ آپ مسجد میں تھے، مسعر کہتے ہیں کہ اس وقت چاشت کا وقت تھا، آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو، پھر آپ نے قرض ادا کیا اور اصل رقم سے مجھ کو زیادہ دیا''۔

صحیح بخاری کی ان احادیث سے واضح ہوا کہ اگر مقروض از خود قرض کی ادائیگی کے بعد قرض سے زائد کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے اس لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت انعامی بانڈز کے ذریعہ لوگوں سے کچھ رقم لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد از خود بعض افراد کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتی ہے تو وہ زیادتی ان احادیث کے پیش نظر جائز ہو گی اور سود نہیں ہو گی۔

کیا انعام کا رواج خریدار کی شرط لگانے کے مترادف ہے؟

بعض علماء نے لکھا ہے جیسا کہ شیخ مزمل نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ چیز معروف ہے کہ حکومت بانڈز خریدنے والوں کو انعام دیتی ہے اور ہر خریدنے والے کے ذہن میں انعامی بانڈز خریدتے وقت انعام کا ہی تصور ہوتا ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے ''المعروف کالمشروط'' جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے قائم مقام ہے اس لیے اگرچہ بانڈز خریدنے والا بالفعل اصل سے زائد رقم لینے کی شرط نہیں لگاتا لیکن عرف اس کا قائم مقام ہے کہ وہ شرط لگا رہا ہے اس لیے بطور انعام اس کو جو رقم ملے گی وہ سود ہی ہے۔

یہ دلیل انتہائی سطحی ہے حکومت کسی خاص خریدار یا تمام خریداروں سے سودی معاہدہ نہیں کرتی اگر حکومت کا طریق کار یہ ہوتا کہ وہ تمام خریداروں کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کرتی تو پھر بانڈز خریدتے وقت خریدار شرط لگاتا یا نہ لگاتا عرف کی وجہ سے اس کی شرط تسلیم کی جاتی اور زیادتی سود ہوتی اس کی مثال یہ ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ اور ڈیفنس سرٹیفکیٹ کی رقم پانچ یا سات سال میں دگنی کر دی جاتی ہے۔ اور یہ چیز معروف ہے اس لیے جو شخص سیونگ یا ڈیفنس سرٹیفکیٹ خریدتا ہے وہ اس عرف کی وجہ سے پانچ یا سات سال میں رقم دگنی لینے کی شرط کے ساتھ خریدتا ہے اور وہ اصل رقم سے جس قدر زائد لے گا وہ سود ہو گی۔ اس کے برخلاف انعامی بانڈز میں ایسا نہیں ہے کہ ہر خریدنے والا حکماً اس شرط کے ساتھ بانڈز خرید رہا ہے کہ اس کو لازماً انعام ملے گا۔ کیونکہ حکومت ہر خریدار کو انعام نہیں دیتی نہ اس کا رواج ہے اور نہ یہ عرف ہے اور جو چیز عرف نہیں وہ حکماً شرط بھی نہیں بن سکتی۔ البتہ عرف یہ ہے کہ لاکھوں خریداروں میں سے چند خریداروں کو انعام ملتا ہے اور ہر خریدار انعام کی امید میں بانڈ خریدتا ہے اور ظاہر ہے کہ انعام کی امید انعام کی شرط کے مترادف اور قائم مقام نہیں ہے اور جس خریدار کے نام انعام کا قرعہ نکل آتا ہے انعام کی امید رکھنے کے باوجود اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس کو انعام مل جائے گا پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس نے بانڈز خریدتے وقت حکماً اس زائد رقم کو لینے کی شرط لگائی تھی اس لیے یہ زائد رقم سود ہے۔

اس سے مستزاد یہ ہے کہ انعام کی رقم صرف ایک نہیں ہے پانچ سو سے لے کر پانچ لاکھ تک چھوٹی بڑی انعام کی متعدد قسمیں ہیں اور کوئی نہیں جانتا کس کو کیا انعام ملتا ہے، خریدار کو اول تو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اس کو انعام ملے گا (صرف انعام کی امید اور خواہش ہوتی ہے) پھر انعام ملنے کی تقدیر پر یہ پتا نہیں کہ اس کو ان متعدد انعامات میں

سے کون سا انعام ملنے والا ہے۔ فرض کیجیے اس کو پانچ سو روپیہ کا انعام مل گیا تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے انعامی بانڈز اس شرط پر خریدے تھے کہ حکومت اس کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرے گی؟ اور "المعروف کالمشروط" والا قاعدہ اس وقت جاری ہوتا جب یہ رواج ہوتا کہ حکومت ہر خریدار کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرتی (یا کم از کم یہ کہ ہر خریدار کو کسی خاص تناسب سے زائد رقم دیتی) پھر اگر خریدار بالفعل شرط نہ بھی لگاتا تب بھی اس عرف کی وجہ سے اس کو شرط کہا جاتا، لیکن جب خریدار کو انعام نہیں ملتا اور لاکھوں خریداروں میں سے جن چند افراد کو ملتا ہے ان کو بھی نہ انعام کا پتا ہوتا ہے نہ یہ پتا ہوتا ہے کہ کتنا انعام ملے گا پھر یہاں عرف کا کیا سوال ہے؟ اہل علم سے اس قسم کی مغالطہ آفرینی بہت بعید ہے!

انعامی بانڈز کا لین دین قرض ہے یا خرید و فروخت؟

سید مودودی نے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دیا ہے یعنی حکومت عوام سے قرض لیتی ہے اور اس کا سود جمع کرکے قرعہ اندازی کے ذریعہ لوگوں میں تقسیم کر دیتی ہے یہ بات سرے سے غلط ہے قرض میں ضروری ہے کہ ایک مدت کے لیے رقم لی جائے اور اگر اس پر سود بنتا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے۔ انعامی بانڈز کا اول تو عنوان ہی خرید و فروخت ہے قرض نہیں ہے، دوم اس کے لین دین میں مدت کا تعین نہیں ہوتا کہ انعامی بانڈز کے بھنانے کے لیے اتنی مدت تک بانڈز رکھنا ضروری ہے یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لیے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دینا صحیح نہیں ہے، آدمی بغیر تعیین مدت کے بانڈز خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈز واپس کرکے اپنے پیسے لے لیتا ہے، یہ قرض کہاں سے ہوگیا؟

کیا بانڈز پر انعامات سودی رقم سے دیے جاتے ہیں؟

انعامی بانڈز کے انعام کو ناجائز قرار دینے کے سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ بانڈز کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوتی ہے حکومت اس روپیہ کو سود پر قرض دیتی ہے اور اس سود میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے یا حکومت مختلف کمپنیوں کے کاروبار میں یہ رقم لگاتی ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے لیکن چونکہ کاروبار میں نفع اور نقصان کی شراکت نہیں ہوئی اس لیے یہ نفع ناجائز ہے اور اس نفع سے جو انعامات تقسیم کیے جائیں گے وہ بھی ناجائز ہوں گے۔

یہ اعتراض انعامی بانڈز کے طریق کار کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے پر مبنی ہے انعامی بانڈز کو فروخت کرنے والی حکومت ہے بینک نہیں ہے۔ بینک لوگوں سے جو سرمایہ لے کر جمع کرتا ہے اس کو کاروبار میں لگاتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور حکومت لوگوں سے انعامی بانڈز یا دوسرے ذرائع سے جو روپیہ حاصل کرتی ہے اس کو وہ اپنے منصوبہ جات اور اخراجات پر خرچ کرتی ہے، حکومت اپنی مختلف اسکیموں کی تکمیل کے لیے جس طرح بیرون ملک سے قرضہ جات لیتی ہے اسی طرح اندرون ملک عوام سے بھی اپنی اسکیموں کے لیے قرضہ

جات لیتی ہے اور انعامی بانڈز کی فروخت سے رقم فراہم کرتی ہے حکومت کا معاملہ بینک سے بالکل الگ ہے حکومت انعامی بانڈز کو بینک کے ذریعہ فروخت کرتی ہے اس بنا پر ان لوگوں نے سادہ لوحی سے یہ سمجھ لیا کہ انعامی بانڈز کی بیع و شراء میں بینک فریق ہے حالانکہ بینک صرف واسطہ ہے اور فریق حکومت ہے اور اگر بالفرض حکومت اس رقم کو کسی کاروبار میں بھی لگاتی ہے اور تجارت کرتی ہے تو یہ کیسے اور کیونکر فرض کر لیا گیا کہ حکومت اس روپیہ کو کسی جائز کاروبار میں نہیں لگاتی؟ اور اس کا کیسے یقین ہوگیا کہ حکومت کو اس روپیہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بہر حال سودی ہوتی ہے؟ یہ روپیہ ڈیم بنانے یا کسی اور نفع آور اسکیم پر خرچ کیا جا سکتا ہے اس روپیہ سے حصص کی خریداری بھی ہو سکتی ہے کوئی مل یا کارخانہ بنایا جا سکتا ہے اور تجارت بھی کی جا سکتی ہے یہ کہنا کہ بینک اس روپیہ کو سودی کاروبار میں لگاتا ہے انعامی بانڈز کے فریق اور اس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم کے مصرف کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے غلط اور ساقط ہے۔

یاد رکھیے احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے باطنی امور کے جانچنے اور کھنگالنے کا ہمیں مکلف کیا گیا ہے نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں امور ظاہریہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اندرون خانہ کی تفصیلات میں جانے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ان ام سلمة زوج النبی ﷺ اخبرتها عن رسول الله ﷺ انه سمع خصومة بباب حجرته فخرج اليهم فقال انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضكم ان يكون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق واقضی له بذلك فمن قضيت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلياخذها او يتركها.[13]

"زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں ایک بشر ہوں میرے پاس لوگ مقدمے لے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کرکے اس کے حق میں فیصلہ کردوں پس اگر میں نے کسی شخص کو (حجت ظاہری کی بنا پر) دوسرے مسلمان کا حق دے دیا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، وہ چاہے اس کو لے یا چھوڑ دے"۔

اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوگیا کہ احکام شرعیہ کا مدار ظاہر پر ہے اگر کسی شخص کا ظاہر درست ہو اور باطن نادرست ہو تو ہم اس کے ظاہر کے اعتبار سے اس کے ساتھ معاملہ کریں گے اس کے باطن کو نہیں کھنگالیں گے اور اس کا حساب اللہ پر ہے اس لیے جب حکومت نے اعلان کر دیا کہ انعامی بانڈز کا لین دین خرید و فروخت ہے اور اس پر انعام دیا جاتا ہے تو اگر حکومت کا طریقہ کار بالفرض اس کے خلاف ہوتا اور واقع میں یہ صورت حال نہ ہوتی پھر بھی ہم ظاہر کے پابند تھے اور باطن میں تجسس کرکے صحیح صورت حال کو نکال کر لانے کے مکلف نہ تھے۔

کیا بانڈز پر انعامات اور حکومت کے دیگر عطیات کا حکم الگ الگ ہے؟

حکومت کی طرف سے جو عطیات ملتے ہیں اور تعلیمی اداروں کو گرانٹ دی جاتی ہے قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبروں کو وظائف، وزیروں اور گورنروں کو مشاہرے اور سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں اور انعامی بانڈز پر انعام دیئے جاتے ہیں یہ سب سرکاری خزانہ (اسٹیٹ بینک) سے دیئے جاتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ اسٹیٹ بینک میں روپوں کی الگ الگ تخصیص ہو اور سرکاری نوازشات اور دینی اداروں کو دی جانے والی گرانٹ کے روپے الگ ہوں اور انعامی بانڈز پر انعامات دیئے جانے والے روپے نشان زد کر کے الگ رکھے ہوں حکومت کی تمام آمدنی خواہ بانڈز سے حاصل شدہ رقم کی تجارت کے ذریعہ ہو یا ٹیکسوں کے ذریعہ ہو اندرون ملک یا بیرون ملک تجارت کی آمدنی ہو یا غیر ملکی امداد ہو یہ تمام رقوم اسٹیٹ بینک میں جمع کردی جاتی ہیں اور عطیات، تنخواہیں اور انعامات اور سرکاری نوازشات اسی مجموعی آمدنی سے ادا کی جاتی ہیں۔ پھر انعامی بانڈز سے انعامات کو اس لیے ناجائز کہنا کہ یہ اس آمدنی سے دیئے جاتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہے یا اس کی تجارت میں نقصان کی شرکت نہیں ہے اور سرکاری نوازشات، عطیات اور تنخواہوں کو ناجائز نہ کہنا ناقابل فہم ہے جب کہ حکومت اپنے تمام اخراجات انعامی بانڈز کی آمدنی یا اس جیسی آمدنی سے ہی کرتی ہے۔

کیا نیت پر حکم لگانا صحیح ہے؟

سید مودودی نے لکھا ہے کہ ''جو شخص انعامی بانڈز خریدتا ہے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے'' جبکہ حکومت یہ انعام سود کے عنوان سے نہیں دیتی نہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے پھر تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سود ایسی حرام چیز کے لین دین کی نیت کرتے ہیں، مسلمانوں کے بارے میں سوءِ ظن کے سوا اور کچھ نہیں ہے نیت ایک مخفی چیز اور غیب ہے۔ سید مودودی کا تعلق اس مکتب فکر سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی غیب کا علم تسلیم نہیں کرتا پھر ان تمام مسلمانوں کی نیت کے بارے میں ایسا حکم لگانا جس کا تعلق علم غیب سے ہو، نہایت حیرت انگیز ہے!

قمار کی تحقیق

سید مودودی لکھتے ہیں کہ بانڈز کے انعامات کی تقسیم لاٹری کے طرز پر ہوتی ہے یہ عین قمار تو نہیں ہے لیکن اس میں روح قمار ضرور موجود ہے۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ قمار (جوا) کیا چیز ہے پھر اس کا فیصلہ ہوگا کہ اس میں قمار کی روح موجود ہے یا قمار کا جسم؟

لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں: القمار: کل لعب یشترط فیه ان یاخذ الغالب من المغلوب شیئا سواء کان بالورق او غیره۔[۱۵]

''ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب سے کوئی چیز لے گا خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور

چیز''۔

میر سید شریف لکھتے ہیں: القمار: کل لعب، بشرط فیه غالباً من المتغالبین شیئ من المغلوب۔[۱۶]

''ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہے کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی قمار ہے''۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: ان القمار من القمر الذی یزداد تارة وینقص اخری وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین، ممن یجوز ان یذهب ماله الی صاحبه ویجوز ان یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص ولا کذلک اذا شرط من جانب واحد (زیلعی)[۱۷]

''قمار قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے''۔

(اس کی تفصیل علامہ جصاص کی عبارت میں آرہی ہے)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: ولا خلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وان اهل الجاهلیة کانوا یخاطرون علی المال والزوجة وقد کان ذلک مباحا الی ان ورد تحریمه وقد خاطر ابو بکر الصدیق المشرکین حین نزلت الم غلبت الروم وقال له النبی ﷺ زده فی الخطر وابعد فی الاجل ثم حظر ذلک ونسخ بتحریم القمار ولا خلاف فی حظره الا ما رخص فیه من الرهان فی السبق الدواب والابل والنصال اذا کان الذی یستحق واحدا ولا یستحق الاخر ان سبق وان شرط ان من سبق اخذ ومن سبق اعطی فهذا باطل فان ادخلا بینهما رجلا ان سبق استحق وان سبق لم یعط فهذا جائز وهذا الدخیل سماه النبی ﷺ محللا۔[۱۸]

''اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپس میں شرط لگانا قمار ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہوگئی جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھاؤ پھر بعد میں اس سے منع فرمادیا اور قمار کی حرمت نازل ہوگئی اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور تیر بازی میں سابقت کی شرط لگانے کی رخصت ہے جبکہ سب سے آگے نکلنے والے کو

انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو نہ دیا جائے اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا تو وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کردیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا تو یہ جائز ہے اس دخیل کو نبی ﷺ نے محلل فرمایا ہے"۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں: وعن ابن سیرین ومجاهد وعطاء كل شئ فيه خطر فهو من الميسر (الى قوله) وقال الشافعي رضي الله تعالى عنه اذا خلا الشطرنج عن الرهان واللسان عن الطغيان والصلوة عن النسيان لم يكن حراما وخارج عن الميسر لان الميسر يوجب دفع المال او اخذ مال فلا يكون قمارا ولا ميسرا۔ ۱۹

"ابن سیرین، مجاہد اور عطاء سے روایت ہے جس چیز میں بھی شرط لگائی جائے وہ میسر (جوا) ہے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب شطرنج شرط یا وہ گوئی اور نماز کی غفلت سے خالی ہو تو حرام نہیں ہے اور میسر سے خارج ہے کیونکہ میسر مال کے دینے یا لینے کو واجب کرتا ہے پس وہ نہ قمار ہے نہ میسر ہے"۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: قال ابن عباس كان الرجل في الجاهلية يخاطر الرجل على اهله وماله فايهما قمر صاحبه ذهب بماله واهله فنزلت الاية۔ ۲۰

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص بھی اپنے ساتھی پر غالب ہوتا (شرط جیت لیتا) وہ اپنے ساتھی کے مال اور اہل کو لے لیتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير۔ بقرہ: ۲۱۹)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: قال مالك الميسر ميسران ميسر اللهو، ميسر القمار فمن ميسر اللهو النرد والشطرنج والملاهي كلها، وميسر القمار ما يتخاطر الناس عليه۔ ۲۱

"امام مالک نے فرمایا میسر کی دو قسمیں ہیں، میسر اللھو اور میسر القمار، میسر اللھو میں نرد، شطرنج اور تمام ملاہی ہیں اور میسر القمار ہر وہ عقد ہے جس میں لوگ شرط لگائیں"۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: كل لعب فيه قمار فهو محرم اى لعب كان، وهو من الميسر الذى امر الله تعالىٰ باجتنابه ومن تكرر منه ذلك ردت شهادته، وما خلا من القمار وهو اللعب الذى لا عوض فيه من الجانبين ولا من احد هما فمنه ما هو محرم ومنه ما هو مباح فاما المحرم فاللعب بالنرد وهذا قول ابى حنيفة واكثر اصحاب الشافعي وقال بعضهم هو مكروه غير محرم۔ ۲۲

"ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میسر میں داخل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے اور جو شخص بار بار جوا کھیلے اس کی شہادت مردود ہوگی اور جو کھیل قمار سے خالی ہوں اور یہ وہ ہیں جن میں جانبین یا کسی ایک جانب سے عوض نہ ہو، ان کھیلوں میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں، امام ابو حنیفہ اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک نرد حرام ہے اور بعض نے کہا مکروہ ہے حرام نہیں ہے"۔

نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: فاما الشطرنج فهو كالنرد في التحريم الى قوله وسائر اللعب اذا لم يتضمن ضررا ولا شغلا عن فرض فالاصل اباحته۔ ۲۳

"شطرنج کی تحریم میں نرد کی طرح اقوال ہیں اور باقی کھیل جب ضرر اور فرائض میں غفلت سے خالی ہوں تو اپنی اصل پر مباح ہیں"۔

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں: والمسابقة بالفرس والابل والارجل والرمي جائزة وحرم شرط الجعل من الجانبين لا من احد الجانبين۔ ۲۴

"گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں مقابلہ کرنا جائز ہے اور جانبین سے شرط رکھنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط رکھنا حرام نہیں ہے"۔

علامہ زیلعی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ومعنى شرط الجعل من الجانبين ان يقول ان سبق فرسك فلك على كذا وان سبق فرسي على عليك كذا وهو قمار فلا يجوز (الى قوله) ولا كذلك اذا شرط من جانب واحد بان يقول ان سبقتني فلك على كذا وان سبقتك فلا شئ لي عليك لان النقصان والزيادة لا يمكن فيهما وانما في احد هما يمكن الزيادة وفي الأخر النقصان فقط فلا يكون مقامرة لان المقامرة مفاعلة منه فتقتضي ان تكون من الجانبين واذا لم يكن في معناه جازا استحسانا لما روينا والقياس ان لا يجوز لما فيه من تعليق التمليك على الخطر ولهذا لا يجوز فيما عدا الاربعة المذكورة في الكتاب كالبغل وان كان الجعل مشروطا من احد الجانبين۔ ۲۵

"جانبین سے شرط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے اگر تمہارا گھوڑا نکل گیا تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تم کو اتنے پیسے دینے ہوں گے اور یہ قمار ہے اس لیے جائز نہیں ہے اور جب شرط ایک جانب سے ہو بایں طور کہ ایک شخص یہ کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو مجھ پر اتنے پیسے لازم ہیں اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم پر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ اب نقصان اور زیادتی دونوں فریقوں میں ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف ایک فریق کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ لازم آرہا ہے اس لیے یہ مقامرہ نہیں ہے اور مقامرہ چونکہ باب مفاعلہ سے ہے اس لیے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جانبین سے ہو (یعنی ہر فریق کو نقصان یا فائدہ لازم ہو) اور جب ایک جانب سے

شرط رکھنا مقامرہ نہیں ہے تو یہ اس حدیث کے اعتبار سے استحساناً جائز ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ ذہبی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑ دوڑ میں مقابلہ کرایا اور شرط رکھی اور ج ۲ ص ۳۲ پر مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹوں کی دوڑ، نیزے بازی اور گھوڑ دوڑ کے سوا شرط رکھنا جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور قیاساً یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں ملکیت کو شرط پر معلق کرنا ہے اس لیے ان چار چیزوں (اونٹ، گھوڑے، پیدل اور تیر اندازی) کے سوا مثلاً خچر دوڑانے وغیرہ میں ایک جانب سے بھی شرط لگانا جائز نہیں ہے"۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مذاہب اربعہ میں قمار حرام ہے اور اس کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔ علماء احناف کے نزدیک قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس میں جانبین سے شرط ہو یعنی جس عقد یا کھیل میں ہر فریق کو فائدہ یا نقصان ہو وہ قمار ہے نیز فقہاء احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں ایک جانب سے نفع یا نقصان کی شرط جائز ہے اس کے علاوہ کسی عقد یا کھیل میں نفع یا نقصان کی شرط ایک جانب سے بھی جائز نہیں ہے اور یہ بھی حکماً قمار ہے اور ناجائز ہے۔

کیا بانڈز کے انعامات میں قمار کی روح ہے؟

قمار کی تعریف معلوم ہونے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز کے انعامات میں قمار بالکل نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط بالکل نہیں ہے دونوں جانبوں سے نہ ایک جانب سے، بانڈز کی خریداری کے لیے کوئی شرط ہے نہ فروخت کے لیے، خریدنے اور بیچنے والے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی نفع یا نقصان لازم نہیں ہے۔ خریدار جتنے روپوں کا بانڈ خریدتا ہے جب چاہے اتنے روپوں میں اس کو فروخت کر دیتا ہے اور حکومت جو بانڈز پر انعام دیتی ہے وہ محض تبرع ہیں جو محض بانڈز خریدنے کی ترغیب کے لیے جاری کیے جاتے ہیں جیسے بعض کمپنیاں شربت کی بوتل کے ساتھ گلاس مفت دے دیتی ہیں یا بعض ٹوتھ پیسٹ کمپنیاں دو ٹوتھ پیسٹ خریدنے پر تیسری ٹوتھ پیسٹ مفت دے دیتی ہیں بعض کمپنیاں خریداری پر لاٹری اور کیلنڈر دیتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں لازم یا کسی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں اسی طرح حکومت خریداری کا شوق بڑھانے یا ترغیب دلانے کے لیے انعامات جاری کرتی ہے۔ اس میں کوئی شرط ہے نہ خریدنے والے کا کوئی استحقاق ہے کیونکہ یہ صرف بیع ہے۔ نہ قرض ہے نہ شراکت اس لیے اس میں سود کا شائبہ ہے نہ قمار کا۔ سید مودودی لکھتے ہیں: جمع شدہ سودی رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ وہ صرف وہ سود جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن کو اس کی دی

ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے، انہیں نہیں ملتا بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے اس بناء پر بعینہٖ قمار تو نہیں مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے۔ ۲۶

کیا سید مودودی کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ سب کے حصوں کا سود چند آدمیوں کی بجائے اگر سب آدمیوں کو مل جائے تو پھر اس عقد سے روح قمار نکل جائے گی؟ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ یہ صرف عقد بیع ہے جہاں کسی سود یا قمار کا کوئی شائبہ نہیں ہے البتہ اگر کسی کو یہ خدشہ ہو کہ بانڈز کی خریداری سے جو حکومت کو پیسہ حاصل ہوتا ہے وہ تمام خریداروں کا روپیہ ہوتا ہے۔ اب اگر اس روپیہ سے حکومت کو تجارت کے ذریعہ نفع ہوتا ہے تو اس نفع کو تمام خریداروں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ صرف چند خریداروں میں قرعہ اندازی کے ذریعہ انعامات تقسیم کرنا انصاف کے خلاف ہے لیکن یہ خدشہ اس لیے ساقط ہے کہ خریداروں نے حکومت کے ساتھ کوئی عقد شراکت نہیں کیا انہوں نے صرف بانڈز کا عقد بیع کیا ہے۔ بانڈز کی رقم سے اول تو کوئی آمدنی نہیں ہوتی کیونکہ یہ رقم مختلف منصوبوں پر خرچ کی جاتی ہے ثانیاً اگر بانڈز کے پیسوں کے ذریعہ حکومت کو آمدنی ہوتی ہے تو اس میں کسی خریدار کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ اور حکومت ترغیب اور تشویق کی خاطر محض تبرعاً انعامات کی تقسیم کرتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۳ ص ۳۳۶۔۳۳۵، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور بار پنجم ۱۹۷۵ء

۲۔ شیخ جمیل حسین، رائق مہر شدہ فتویٰ از دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن۔ ۱۴۰۶ھ

۳۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۴۔ علامہ ابن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۵۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۶۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۷۔ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت ۱۳۳۲ھ

۸۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۲ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۔ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۷۶، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ

۱۰۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج۱ص ۳۶۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۱۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج۱ص ۱۹۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۱۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج۱ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ

۱۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج۱ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ

۱۴۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج۱ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

۱۵۔ لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد ص ۵۳۰، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت، الطبعۃ الثامنۃ عشرۃ ۱۹۲۷ء

۱۶۔ میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۷۷، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۶ھ

۱۷۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار ج۵ص ۳۵۵، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

۱۸۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج۱ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۹۔ امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج۲ص ۳۳۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۰۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن ج۳ص ۵۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

۲۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن ج۳ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

۲۲۔ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج۱۰ص ۱۷۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۳۔ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج۱۰ص ۱۷۳۔۱۷۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۴۔ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ، کنزالدقائق ص ۲۳۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۲۵۔ علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج۶ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

۲۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل ومسائل ج۳ص ۳۳۶، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور بار پنجم ۱۹۷۵ء

عہدِ جاہلیت میں عرب کا سیاسی نظام

محترمہ فرح سہیل

لیکچرار شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

جزیرۃ العرب کے سیاسی حالات پر تاریخی اور تحقیقی نگاہ ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عرب میں عہد قدیم سے ہی شاندار حکومتوں کا سلسلہ متواتر چلا آرہا تھا۔ اس ضمن میں شمالی اور جنوبی عرب میں شاندار حکومتیں قائم ہوئیں۔ یورپ کی تحقیقات حال سے بھی شمالی اور جنوبی عرب کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے۔

پروفیسر نولڈیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:

”ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن میں جو حمیر اور سبا کا ملک تھا اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا تمدن کے اس درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح وستائش کو تحریک حاصل ہوتی ہے۔ اور اہل یونان وروم نے اسکو ”دولتمند عرب“ کا جو لقب دیا تھا وہ بجا تھا۔ تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت وثروت کی شہادت دیتی ہیں۔ چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

قوم ثمود کی عمارات سے ڈاؤتی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کر دیا۔ نیز نبط قوم نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انہی سے حاصل کی ہے۔

کتابت کا فن انھوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال سے لیا تھا۔ اب اس کو خود انھوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری طرف ابی سینیا تک اسکو پھیلا دیا۔“

لیکن وسطی عرب کے ساحلی اور اندرونی مقامات پر شمالی اور جنوبی تہذیب وتمدن کے اثرات مکمل طور پر نہ پہنچ سکے، کیونکہ وسطی عرب کا طرز زندگی قبائلی تھا۔ معاشرہ میں ع حضری وبدوی کی تقسیم موجود تھی۔ اس مختلف

طرز زندگی کا اثر ان کے ذریعہ معاش پر ہوا اور اس اختلاط ذریعہ معاش کے اثرات براہ راست ان کی سیاست پر مرتب ہوئے۔ اسلیے ہمیں وسطی عرب میں کوئی منظم ریاست یا حکومت نظر نہیں آتی۔ حالانکہ قصی نے مکہ میں ایک شہری ریاست قائم کی، لیکن قصی کی وفات کے بعد وہ بھی انتشار کا شکار رہی۔

لہذا یہ کہنا کہ جزیرۃ العرب میں کبھی کوئی ملک گیر حکومت قائم ہوئی نہ یہاں کبھی کوئی منظم ضابطہ اور قاعدہ قانون تھا اور نہ ہی کوئی تنظیم اور سیاسی وحدت موجود تھی، غلط ہے۔

عرب کی تہذیب اور تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اس سرزمین پر انسانی آبادی، کیونکہ اس سرزمین کو اقوام سامیہ کا مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اہل عرب ابتدائے تاریخ سے تمدن و حضارت اور حکومت و سلطنت سے واقف رہے ہیں اور انہیں سیاست کا واضح شعور رہا ہے۔ مارگولیتھ کا کہنا ہے کہ

''کتبات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں منظم ریاستوں کا ایک سلسلہ نامعلوم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اس علاقے سے ایک منظم سیاسی تنظیم کی یادیں وابستہ ہیں جو اپنی روایات اور رسوم رکھتی ہیں اور جن کے پیچھے ایک تاریخ موجود ہے''۔ ۷

عرب کے سیاسی حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں قوم نوح کی بربادی کے بعد سب سے پہلی اور عظیم الشان حکومت قوم عاد کی قائم ہوئی۔ جسکا ذکر قرآن شریف میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

''اے عاد کے لوگوں خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تمکو اپنی خلافت عطا کی''

(سورہ اعراف: ۶۹)

عاد ایک محدود مختصر قبیلہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ عاد کی عظمت و ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م ہے۔ عاد کی مرکزی آبادی عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضر موت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایشیاء و افریقہ کا کثیر حصہ انکے زور و قوت کا تماشا گاہ تھا۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں انکے دست صنعت کا نتیجہ تھیں۔ ۹

قرآن بھی یہی کہتا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا؟ جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جنکی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔ (سورہ فجر: ۸۔۶)

امم سامیہ اولی یا عاد کی سیاسی تاریخ کی دو جولانگاہ ہیں۔ ایک بیرونی ملک عرب اور دوسری اندرون عرب۔ بیرون عرب ان کی حکومتیں پہلے مرحلے میں بابل، مصر اور دیگر ممالک میں ۲۲۰۰ ق م سے ۱۹۰۰ ق م تک اور دوسرے مرحلے میں حضرموت سواحل سے خلیج فارس کے طول میں عراق تک عاد تھا۔ عرب میں حجاز سے حدود مدینا

تک ثمود۔ یمامہ میں طسم و جدیس اور یمن میں اہل معین نے حکومتیں قائم کیں۔ ہے جدید تحقیقات اسکی تائید کرتی ہیں۔ علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ میں اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

''انہیں عمالیق ہیں یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں''۔ ۸

اسی طرح مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے۔

''عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہوگئے''۔ ۹

قوم عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ

''ثمود یاد کرو کہ خدا نے تمکو عاد کے بعد جانشین بنایا'' (اعراف: ۷۴)

ثمود عرب کے شمال و مغربی حصوں پر قابض تھے جنکا نام وادی القری تھا۔ انکا دار الحکومت حجر تھا۔ یہ شہر اس قدیم راستے پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی فن تعمیر میں عاد کی طرح اسکو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ قرآن مجید نے ان کی عظمت تعمیر کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے۔

و ثمود الذين جابوا الصخر بالواد

اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے۔ (فجر: ۹)

و بوأكم في الأرض تتخذون من سهولها قصورا و تنحتون الجبال بيوتا

''اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے (صالح نے کہا اے لوگو) خدا نے تمکو زمین میں جگہ دی جس کے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے ہو''۔ (اعراف۔ ۷۴)

ان کی یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر آرامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ لیکن انہیں سے اکثر آرامی کتابت بطی اقوام کی ہیں جنہوں نے قبل مسیح و بعد اس مقام پر حکومت قائم کی تھی۔ وہاں کا یہ زمانہ تقریبا ۱۸۰۰ ق م تا ۱۶۰۰ ق م تک ہے۔ اس قوم کی اصلاح و تعلیم کے لیے حضرت صالح ؑ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ثمود اولی کے جانشین اہل مدین ہوئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ تا ۱۰۰۰ ق م میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھوں کلیتاً برباد ہوگئے تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک بار سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م میں خراج وصول کیا انکے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہوگئے اور اس خصوصیت سے تاریخ روم میں ثمود کا ذکر آیا ہے۔ ۱۲ اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان نہ تھا۔ یہاں قبائل جہینہ، بلی اور یہود اس وقت آباد تھے۔

غرضیکہ عرب کا ملک ازمنہ قدیم سے تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ہے اور اپنے ثقافتی اثرات اس نے دنیا کے دوسرے حصوں تک منتقل کئے ہیں۔ اگرچہ کہ عرب میں ریاستوں کا وجود قدیم ہے لیکن کسی زمانے میں بھی

کوئی ایک بھی گیر ریاست یا حکومت عرب میں قائم نہیں ہوئی البتہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے چند حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں باقی تھیں۔

مثال کے طور پر حیرہ اور عراق میں ال منذر (لخمیوں[۱۳]) کی موروثی حکومت تھی۔ جو سلطنت فارس کے ماتحت تھی اور عرب وایران کے درمیان ایک طفیلی ریاست (Buffer State) کی حیثیت سے قائم تھی۔ آل منذر نے ساسانی دور میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ انکا آخری حکمران نعمان بن منذر تھا۔ آل منذر کے توسط سے ساسانی خاندان نے عربوں پر اپنی برتری ثابت کی اور انہیں کے ذریعے شام کے وسیع و شاداب علاقوں کو بار بار روندا۔

عرب کے شمال میں شام کی سرحد پر آل غسان[۱۴] (بنو جفنہ) کی حکومت قائم تھی اور مدت دراز سے چلی آ رہی تھی اور جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ ریاست انتداب روم کے ماتحت تھی۔ ملوک غسان کی کل تعداد ۳۲ اور ان کی مدت حکومت تقریباً ۶۰۰ سال ہے۔ انکا مرکزی حکومت بصریٰ تھا۔ غسانہ کے ایک حاکم "حارث بن ابی شمر کے عہد حکومت میں بعثت نبوی ﷺ ہوئی۔ یہ نعمان بن منذر حاکم حیرہ کا ہمعصر تھا۔ ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہتی تھی۔ غسانہ کا آخری فرمانروا جبلہ ابن ایہم[۱۵] تھا۔ بہر حال غسانیوں کی حکومت رومیوں کے زیر اثر تھی۔ بلکہ ان کے بادشاہ کو بھی وہی نامزد کرتے تھے اور غسانی حکمرانوں کا اولین مقصد رومی مفادات کا تحفظ تھا۔

ان دونوں حکومتوں کے علاوہ ایک اور حکومت بنو قضاعہ کی بھی تھی۔ جس کی باگ ڈور کلب بن برہ کے ہاتھ میں مگر زمام حکومت کبھی کبھی کندہ کی شاخ سکوں کے ہاتھ میں چلی جاتی تھی۔ چنانچہ دومۃ الجندل۔ تبوک کے مقامات۔ بنو کلب کے قبضہ میں تھے اور وہ نصرانیت اختیار کر چکے تھے۔ عمان قبیلہ ازد کا وطن اور جائے قرار تھا۔ ان کے بعد حکومت ان کے بھائیوں، بنو نصر زہران کو منتقل ہو گئی۔ ظہور اسلام سے ذرا پہلے ان کے حکمران مستکبر بن مسعود جرار تھا۔ عمان میں جس نے اسلام کا زمانہ دیکھا وہ جیفر بن الجلندی اور اسکا بھائی عیاذ تھا۔ رسول ﷺ نے ان دونوں کو مراسلہ بھیجا تھا جس پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ نے ان کے علاقے پر عمرو بن العاص کو عامل مقرر کیا ہے۔[۱۶]

ایک اور حکومت جو ولادت نبوی ﷺ سے کچھ پہلے ہی (امراء القیس کے دور حکومت کے بعد[۱۷]) چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں پارہ پارہ ہو چکی تھی "دولت کندہ" تھی۔ انکا اصل وطن تو غالباً یمن کے مشرقی حصہ میں تھا ابتداء میں یہ بنو حمیر کے ساتھ ملک و حکومت میں شریک تھے لیکن بعد میں زمام حکومت صرف حمیر کے قبضہ میں آ گئی تو یہ ان کے ماتحت رہا۔

علاقہ حضرموت میں خاندان حضرموت کے یہاں حکومت ریاست عہد اسلام تک قائم رہی۔ ان میں سے ہی وائل بن حجر[۱۸] ہیں جنکو رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ یہی حضرموت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے، اسلئے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عہد قدیم سے مالک تھے، جہاز

رانی میں ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اسلام کے بعد انکی یہ قوت اور زیادہ نمایاں ہو کر چمکی۔ جزائر ہند، جاوہ، سماترا، اور تمام سواحل ہند میں انکی نو آبادیاں قائم ہوئیں۔ دکن کی فوجی طاقت میں حیدر آباد اور مرہٹوں کے زمانے تک انکا عنصر ایک اہم جز تھا۔ ان سواحل و جزائر میں اشاعت اسلام کی خدمت بھی انہیں حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔[۱۹]

غرضیکہ یمن کی تاریخ انتہائی طویل اور قدیم ہے۔ یہ علاقہ بڑی بڑی تہذیبوں کا گہوارہ اور حکومت و سیاست کا مدت دراز تک مرکز رہا ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف سلطنتیں یہاں قائم ہوتیں رہیں۔ ان میں جن اور قدیم ترین حکومتوں کے شواہد دستیاب ہو سکے ہیں انہیں سبائی۔ معینی اور حمیری ہیں۔ جوف یمن میں معین نامی ایک آبادی تھی۔ جس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صنعاء) واقع تھا۔ اسکا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی رہا۔ یہ شہر کسی زمانے میں حکومت کا مستقر تھا۔ عہد حکومت (۷۰۰ ق م تا ۱۵۰۰ ق م) تک رہا ہے۔ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشوریا (اسیریا) تک قائم تھی۔ معین تاجر پیشہ قوم تھی۔ زیادہ تر خوشبو دار لکڑی اور بخورات کی تجارت کرتی تھی۔ یمن کے علاوہ معین کے آثار و خط و زبان کے نمونے شمالی عرب میں العلاء میں بھی ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کی کوئی نو آبادی بھی یہاں قائم تھی غالباً اس نو آبادی کی غرض یہ ہو گی کہ معین ان تجارتی راستوں کی حفاظت کرے جو سواحل بحر احمر پر عقبہ (ایلانہ) ہو کر شام و فلسطین اور اسکندریہ کو جاتے تھے۔ معین کے ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہ تھی بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی۔[۲۰]

معین کے بعد قوم سبا نے یمن میں اپنی حکومت قائم کی۔ اور (عراق) سے جو کتبات برآمد ہوئے ان میں اڑھائی ہزار سال قبل مسیح اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن انکے عروج کا زمانہ گیارہویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے سبا کا اصلی مرکز حکومت عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ ۶۵۰ ق م سے پہلے شاہان سبا کا لقب مکرب سبا تھا۔ انکا پایہ تخت صرواح تھا۔ اس دور میں مآرب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے یمن کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔[۲۱] اس دور میں سلطنت سبا کو اسقدر عروج حاصل ہوا کہ انہوں نے عرب کے اندر اور عرب کے باہر جگہ جگہ اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں۔ کیونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اس لیے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اسکو قبضہ کرنا پڑا تھا۔ اس سلسلہ میں شمالی عرب، افریقہ حبشہ میں اریٹیریا کا ضلع انکے ماتحت تھا۔

۶۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک کے دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لفظ چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا۔ اور صرواح کے بجائے مآرب کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ ۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ عیسوی تک پورے دور میں سبا کی مملکت پر قبیلہ حمیر کو غلبہ حاصل رہا۔ اور اس نے مآرب کے بجائے ریدان کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

حمیر کی مدت حکومت ۱۱۵ ق م سے ۵۲۵ عیسوی تک ہے۔ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس[۲۲] تھا۔ اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔ یہ یہودیت کے تعصب میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے نجران کا محاصرہ کر کے شہر فتح کیا۔

اس نے اپنے دورِ حکومت میں بڑے بڑے گڑھوں میں آگ دہکائی۔ اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو بلوایا جس نے بھی یہودیت قبول کرنے سے انکار کیا اسکو نذرِ آتش کر دیا۔ اس واقعہ کو قرآن میں "اصحاب الاخدود [۲۳]" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ذونواس کی اس ظالمانہ حرکت پر دوس بن ثعلبان نامی ایک عیسائی امیر نے نجاشی سے مدد کی فریاد کی۔ نجاشی نے قیصرِ روم کے اشارے سے یمن پر فوج کشی کے لیے ارباط کو بھیجا جس نے ۵۲۵ء میں یمن فتح کر لیا۔ ارباط نے یمن پر بیس برس حکمرانی کی۔ اس اثنا میں حبشی فوج نے بغاوت کی، ابرہہ اشرم [۲۴] ایک حبشی سردار تھا اس نے ارباط کے خلاف اس بغاوت کی قیادت کرتے ہوئے ارباط کو قتل کر کے یمن کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی اقتدار قائم ہونے سے پہلے یمن، عرب اور اسکے نواحی علاقے ایرانی حکومت کے باجگذار تھے۔ [۲۵]

بہرحال ملوکیت اور بادشاہی کا رواج عرب کے کئی علاقوں میں زمانہ قدیم سے موجود رہا تھا اور آمدِ اسلام کے وقت بھی یہ بادشاہتیں اور حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ طرزِ امارت بھی عرب کے مختلف حصوں میں مکمل یا نامکمل صورت میں موجود تھی۔ یعنی وہ دوسرے قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے امیر تسلیم کیے جاتے تھے اور انہوں نے کہیں کہیں کسی حد تک اپنی خود مختار اور آزادانہ چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان میں مکہ۔ مدینہ۔ یثرب۔ جرش۔ عدن۔ صحار۔ دبی۔ ایلہ۔ دومۃ الجندل۔ فدک۔ یمامہ اور مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ان تمام شہری مملکتوں میں مشہور و معروف مکہ کی شہری ریاست تھی۔ جیسے حضور ﷺ کے جدِ امجد قصی [۲۶] بن کلاب نے مکہ پر قبضہ کر کے ۴۴۰ء میں قائم کیا تھا۔

مکہ حجاز کا مشہور شہر ہے۔ اسکا اصل اور قدیم نام "بکہ" [۲۷] ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہی نام آیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا

"پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا وہ بکہ میں تھا"۔ (سورۃ آل عمران: ۹۶)

مکہ کا تیسرا نام ام القریٰ (یعنی قریوں کی ماں) بھی ہے۔

وکذالک اوحینا الیک قرآنا عربیا لتنذر ام القری و من حولھا

اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعہ اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس آباد ہیں۔ (الشوریٰ: ۷)

اس زمانے میں مکہ اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ اور تجارت کے لیے شام، یمن، طائف اور نجد جانے والے کاروانوں کے لیے جنکشن کی حیثیت رکھتا تھا۔ مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے اہمیت ملنی شروع ہوئی یہاں وہ آتے جاتے رہتے تھے۔ چشمہ زمزم جاری ہونے کے بعد یہ ایک گنجان آباد شہر بن گیا۔ عرب مؤلف لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں گھنے جنگل۔ اچھی چراگاہیں اس وادی میں پائی جاتی تھیں جہاں اب مکہ موجود ہے قصی نے یہ جنگل صاف کروا کر اپنے قبیلے کے لوگوں کے لیے کعبہ کے اطراف میں جگہ فراہم کی۔ اسکے

علاوہ ہر طرف بلند اور ناقابلِ تسخیر پہاڑوں نے اسے جنگی لحاظ سے بھی محفوظ بنا دیا تھا۔ [۲۸]

مکہ دو حصوں میں بنا ہوا تھا اور آج بھی ہے۔ جہاں کعبہ تعمیر ہے اسے بکہ کہتے ہیں، جبکہ پوری وادی کو مکہ کہتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ

"اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیے تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں"

(سورۃ فتح: ۲۴)

کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم اور انکے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے انجام پائی۔ کعبہ کی تعمیر کے بعد مکہ کو اہمیت ملنی شروع ہوئی۔ خانہ کعبہ بغیر چھت اور دروازے کے تھا۔ اسکے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ اسکے ایک کنارے پر حجرِ اسود لگا ہوا تھا۔ [۳۰] یہاں آلِ اسماعیل علیہ السلام [۳۱] آباد تھے۔ خاندان بنو اسماعیل میں ایک شخص عدنان گذرے ہیں جنکا زمانہ پہلی صدی ق م کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے قبیلہ بنو جرہم میں شادی کر کے مکہ میں رہائش اختیار کی۔ انہی عدنان کے بیٹے معد نے بھی اپنے والد کی طرح بنو جرہم کی لڑکی معانہ سے شادی کی جن سے نزار پیدا ہوئے۔ معد کے جانشین فہر تھے جنکا لقب "قریش" [۳۲] اور جنہوں نے تیسری صدی عیسوی کا زمانہ پایا۔

اس طرح عدنانی قبائل نے حجاز میں پھیلنا شروع کیا ان کی آپس میں شادیاں ہوئیں۔ کعبہ کی تولیت جو آلِ اسماعیل علیہ السلام کا موروثی حق تھی۔ اہل بابل کے حملے کے بعد پہلی صدی عیسوی میں بنو جرہم کے پاس چلی گئی۔ یہ دو ہزار سال مکہ پر حکمران رہے۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط میں قبیلہ بنو خزاعہ جو شمالی عرب کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں کی ہریالی اور سیاسی حالات دیکھ کر ٹھہر گیا اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ اور حجاز کے جنوبی حصہ پر قبضہ کر کے بنو جرہم کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ بعد میں اس بنو خزاعہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص عمرو بن لحی [۳۳] (جسکا اصل نام ربیعہ بن حارث تھا) نے کعبہ کی تولیت حاصل کر لی۔ اسطرح بنو خزاعہ کا اقتدار مکہ پر تین سو سال تک قائم رہا۔

اس دوران بنی اسماعیل جنہوں نے بنی جرہم کے ہاتھوں بڑی اذیتیں سہی تھیں۔ دوبارہ آہستہ آہستہ طاقت و قوت حاصل کرتے گئے۔ اس پورے عرصے میں عدنانی قبائل کا اقتدار میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ قصی کا ظہور ہوا اس نے مکہ کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اس نے بنو خزاعہ کے آخری حکمران حلیل بن حبشیہ خزاعی کی صاحبزادی حبی سے شادی کر لی اور ایک جنگ کے بعد کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ [۳۴]

مکہ پر اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد قصی نے قبائل قریش میں جو کہ مختلف حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اتحاد پیدا کیا۔ اور آپس میں مشورہ کر کے انہیں اطراف کعبہ میں آباد کیا۔ جسکی وجہ سے اسکو قریش اول اور "مجمع" [۳۵] کا نام دیا گیا۔ اسکے بعد قصی نے مکہ کے سیاسی حالات کو منظم رکھنے کے لیے ایک دارالندوہ قائم کر کے

اسکے مختلف محکمے ترتیب دیئے۔ جنکی تعداد تقریباً ۱۰ تھی۔ بعد میں ان شعبوں میں اضافہ ہوتا رہا یہ تقریباً ۲۱ تھے۔

۱۔ حجابہ (خانہ کعبہ کی دربانی)

۲۔ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا)

۳۔ رفادہ (حاجیوں کے لئے کھانے کا انتظام اور مال کا بندوبست)

۴۔ لواء (جھنڈا، جنگی عہدہ)

۵۔ ندوہ (شوریٰ)

۶۔ مشورہ (امور مہم میں مشورہ)

۷۔ قیادہ (جنگ میں لشکر کی قیادت)

۸۔ قبہ (شامیانہ فوجی معسکر کا انتظام)

۹۔ اعنہ (گھوڑے کی لگام۔ سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری)

۱۰۔ اموال المجرہ (چڑھاوے کا مال)

۱۱۔ ایسار و ازلام (بتوں سے استخارہ)

۱۲۔ اشناق (خون بہا۔ جرمانے اور مال تاوان۔ دیت کا انتظام)

۱۳۔ حکومت (مقدمات کا فیصلہ)

۱۴۔ سفارہ (سفارت)

۱۵۔ عقاب (جھنڈا۔ جنگ کے وقت نشان قومی کی علمبرداری)

۱۶۔ سدانہ (کعبہ کی دربانی۔ کلید برداری اور کھولنا)

۱۷۔ اعنہ

۱۸۔ اجازہ

۱۹۔ نسئی (مہینے بدل دینا)

۲۰۔ حلوان النفر (بدلے میں دوسرا فوجی بھیج دینا۔ جنگی عہدہ)

۲۱۔ عمارۃ البیت (حرم کعبہ میں اخلاقی محاسن کی نگرانی)

دارالندوہ قریش کا مستقل اجتماع بھی کچھ تھا۔ مکہ کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی زندگی میں اس نے انتہائی موثر کردار ادا کیا۔ قریش کے تمام معاملات ندوہ میں طے پاتے تھے۔ جنگ، صلح، انتظامی امور اور دیگر پیش آمدہ معاملات و مشورہ اس عمارت میں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ نکاح و بلوغ کا اعلان بھی ندوہ سے ہوتا تھا۔ ۳۷ اس نے جو شعبے قائم کئے وہ تمام قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ بعثت نبوی کے وقت کل چودہ عہدے باقی تھے، جو دس مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔

سقایہ (بنی ہاشم)۔ رفادہ (بنی نوفل)۔ لواء، ندوہ اور سدانہ و حجابہ (بنی عبدالدار)۔ مشورہ (بنو اسد)۔ عقاب (بنو امیہ)۔ اموال المحجرہ اور حکومت (بنو سہم)۔ ایسار و ازلام (بنو جمح)۔ اشناق (بنو تیم)۔ قبہ اور اعنہ (بنی مخزوم) اور سفارت کے عہدے بنو عدی کے پاس تھے ہر قبیلہ اپنے طور پر اپنے متعلقہ انتظامی شعبہ کا ذمہ دار تھا۔ ان قبیلوں نے جس انتظامی حسن کارکردگی کا ثبوت دیا اسکے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل مکہ انتظام ریاست کا بڑی حد تک سلیقہ رکھتے تھے۔

قصی نے بڑے یادگار و نمایاں کام انجام دیئے تھے اس نے قریش کو ایک ٹیکس (رفادہ) دینے پر آمادہ کیا کہ وہ زائرین جو بڑی دور سے زیارت کعبہ کے لیے آتے ہیں ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے۔ چنانچہ اس نے ایک سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جس سے منیٰ و مکہ معظمہ کے حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا یہ خدام حرم کا سب سے بڑا مذہبی منصب تھا۔ قصی نے اس وقت تک حجاج کو پانی پلانے اور کھانا کھلانا لازم قرار دیا جب تک وہ اپنے مذہبی امور ادا کر کے مکہ سے رخصت نہیں ہو جاتے اس کے علاوہ مزدلفہ میں قیام کے وقت آگ روشن کرنے کی رسم بھی نکالی۔ یہ آگ شب اجتماع عرفات میں روشن رہا کرتی تھی تاکہ عرفات آنے والا اس روشنی سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ اسکے علاوہ چرمی حوض بنوائے تاکہ زائرین ایام حج میں انہیں بھرے ہوئے پانی سے استفادہ کر سکیں۔

حجابہ کا عہدہ خود قصی کے پاس تھا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ قصی خود کھولتا تھا۔ سقایہ کے تحت زمزم کے مقدس کنوؤں کا اور اسکے پانی کا اجارہ جو حجاج کرام کے استعمال کے لیے مخصوص تھا۔ بنی ہاشم کے پاس تھا۔ حج کے دنوں میں کنوؤں کے پانی میں کھجور اور کشمش ڈال کر میٹھا کر دیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے وقت یہ عہدہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے پاس تھا۔ قصی کے ان اقدامات سے اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ۳۸

یہ سارے مناصب قصی کی زندگی میں اسکو حاصل تھے اس لیے قصی نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو جو کہ اس کے دوسرے بیٹے عبد مناف سے شرف و سیادت میں کم تر تھا۔ بلند تر مقام پر پہنچانے کے لیے ان سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت اسکے نام کر دی۔ یعنی دارالندوہ کی ریاست۔ خانہ کعبہ کی حجابت۔ لواء۔ سقایہ اور رفادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا۔ قصی کا حکم اسکی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی قریش کے لیے مذہبی حکم کا درجہ رکھتا تھا چنانچہ اسکی وفات کے بعد اسکے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اسکی وصیت قائم رکھی۔ لیکن جب عبد مناف کی وفات ہو گئی تو اسکے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چچیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا اسکے نتیجہ میں قریش دو گروہ میں بٹ گئے۔ عہدوں کے حصول کے لیے آپس میں جنگ بھی ہو سکتی تھی لیکن دوسروں نے بیچ میں پڑ کر صلح کروا دی اور یہ مناصب باہم تقسیم کر لیے گئے۔ چنانچہ سقایت اور رفادہ کے مناصب بنو عبد مناف اور دارالندوہ کی سربراہی اور حجابت بنو عبدالدار کو مل گئی۔ ۳۹ پھر عبد مناف نے اپنے درمیان حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا چنانچہ ہاشم ہی نے زندگی بھر سقایہ و رفادہ کا انتظام کیا۔ یہ حجاج کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے

تھے۔ ایک دفعہ مکہ میں سخت قحط پڑا ہاشم شام گئے وہاں سے آٹا خریدا۔ یہ سامان حج تک مکہ لے آئے۔ پھر روٹیاں تیار کروا کر ٹکڑے کئے۔ اونٹ ذبح کر کے ثرید تیار کیا (روٹی کو شوربہ میں چورہ کرنے) اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اس سے ان کو بڑی عزت و تکریم حاصل ہوئی۔ یہاں سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوا جبکہ اصل نام عمرو تھا۔ عربی زبان میں چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہیں جسکا اسم فاعل ہاشم ہے۔

آہستہ آہستہ تمام سیاسی اختیارات بھی انہیں حاصل ہو گئے۔ ہاشم ذی شان تھے مکہ کے مشہور تاجروں میں آپ کا شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے قیصر روم اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے تجارتی معاہدے کئے کہ قریش جب ان کے ملک میں اسباب تجارت لیکر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔

اسکے علاوہ ہاشم نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو سال میں دو دفعہ تجارت کے لئے جانا چاہیے۔ چنانچہ اہل عرب سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

اس زمانے میں عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے، جس کے صلے میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائیگا۔ اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔ یہی سبب تھا کہ عرب میں عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔ ۱۲ع

ہاشم ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستے میں مدینہ میں ٹھہرے یہاں انہوں نے خاندان بنی نجار کی خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی۔ شادی کے بعد یہ شام چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا۔ ہاشم کی وفات کے بعد سرداری ان کے بھائی مطلب کو ملی اور مطلب کی وفات کے بعد سردار ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب بنے۔ ان کا اصلی نام ان کے سفید بالوں کی وجہ سے شیبہ رکھا گیا تھا۔ عبدالمطلب اپنے والد ہاشم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ تقریباً ۸ سال مدینہ میں پرورش پائی۔ جب مطلب کو ان کے حالات کا علم ہوا تو وہ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔ یہ واپسی میں مطلب کیساتھ انکے پیچھے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے یہ دیکھ کر لوگوں نے انہیں عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام کہنا شروع کر دیا۔ بعد میں یہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ۲۲ع

عبدالمطلب مکہ کے معزز ترین اشخاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں یمن کا گورنر ابرہہ صباح حبشی تھا۔ اس نے کعبہ کی شان و شوکت دیکھ کر یمن (صنعا) میں ایک کلیسا تعمیر کروایا تا کہ لوگ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر اس کا طواف کریں۔ لیکن جب بنو کنانہ کے ایک آدمی کو اسکی خبر ہوئی تو اس نے ایک رات کلیسا میں گھس کر اسپر غلاظت پھینک دی۔ اسپر ابرہہ کو سخت غصہ آیا اور یہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اسکے لشکر میں کچھ فیل (فیل عربی زبان میں ہاتھی کو کہتے ہیں) بھی شامل تھے۔ مکہ کے لوگوں کو جب اسکے ارادہ کا علم ہوا تو وہ سب اور عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ "میں اپنے اونٹوں کی حفاظت کرتا

ہوں اللہ اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا"۔

جب ابرہہ وادی محسر (مزدلفہ و منیٰ کے درمیان وادی ہے) پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ ان پر کنکر برسائے جن پر نشان تھے اسطرح ابرہہ کا لشکر ختم ہو گیا۔ اسکے بعد مکہ کے لوگوں کو پہلی دفعہ چیچک کی بیماری کا علم ہوا۔ ۳۲ع

یہ واقعہ مکہ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس تاریخ سے مکہ کی باقاعدہ اور مستقل تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ کیونکہ قریش قصی بن کلاب کی عظمت و مرتبہ کی بنا پر اس کی وفات کے دن سے سالوں کی تاریخ کا تعین کرتے تھے مگر اس سے زیادہ اہم "واقعہ فیل" ۴۲ع کے بعد اس دن سے سالوں کی تاریخ مرتب کی جانے لگی۔ اس سال حضور ﷺ کی پیدائش ہوئی یعنی ہاتھیوں والے سال جسے عام الفیل کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ شہر روما میں ہی نہیں بلکہ ایتھنز کی شہری ریاست کے وجود میں آنے سے بھی پہلے جنوبی عرب خصوصاً یمن میں ایک ریاست موجود تھی اس اعتبار سے عرب کا تمدن یورپ کے تمدن سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ ۵۲ع

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی میں بجا طور پر قمطراز ہیں کہ آغاز اسلام کے وقت پورے جزیرہ عرب میں ایک معاشی وفاق بھی قائم ہو چکا تھا جسکا باعث وہاں کے سالانہ میلے ۶۲ع (اسواق العرب) اور وہاں کے کاروانوں کا نہایت ترقی یافتہ نظام خفارہ (بدرقہ) تھے۔ بظاہر یہ معاشی وفاق نیز یہ واقعہ کہ پورے ملک میں ایک ہی بولی جاتی تھی، ایک ہی طرح سے وہ قال دیکھا کرتے تھے مختلف بتوں یا دیوتاؤں کو وہ مشترکہ طور پر مانتے تھے، اور بڑی حد تک ان کے رسم و رواج بھی یکساں ہی تھے۔ اسلیے ان چیزوں نے سیاسی اتحاد کیلیے بہت کچھ زمین ہموار کر دی۔ اور جب اسلام آیا تو اس نے جزیرہ نمائے عرب کے نراج میں بڑی تیزی سے ایک مرکزیت پیدا کر دی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ نعمانی، شبلی۔ سیرت النبی، جلد اول، پروفیسر نولڈیکی، مورخین کی تاریخ عالم، جلد ۸۔

۲۔ عرب کی آبادی دو حصوں میں تقسیم تھی حضری اور بدوی۔ حضری شہروں میں رہنے والوں کو اور صحراؤں میں بسنے والوں کو خانہ بدوش یا بدوی کہا جاتا تھا۔ تفصیلات کیلیے دیکھیے: آلوسی، محمود شکری آلوسی۔ بلوغ الارب، طبع دار الکتاب العربی، مصر، طبع سوم، جلد اول، ص ۱۳ تا ۱۵۔ نیز بلگرامی، سید علی۔ تمدن عرب، مطبع محمود ریاض پرنٹرز، لاہور، ص ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

۳۔ عرب کے سب سے قدیم سامی قبائل حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے ہیں۔ یہاں کے سب سے پہلے اور

ابتدائی باشندے تھے وہ مختلف وجوہ سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ میں پھیل گئے۔ (ندوی، سید سلیمان۔ ارض القرآن، مطبع معارف اعظم گڈھ، جلد اول، طبع دوم ۱۳۴۲ھ، ص ۱۲۵۔

۴۔ نقوش رسول نمبر، جلد ۵۔ ڈاکٹر نثار احمد، بعثت نبوی کے وقت عرب کا سیاسی نظام۔

۵۔ عرب مورخین کے نزدیک امم بائدہ (برباد ہوجانے والے قبائل) سے ہیں یہ عرب کے خالص اور غیر مخلوط النسل باشندے ہیں اور ان کی جماعت کے افراد کو عاد، ثمود، طسم اور جدیس کہتے ہیں۔ ایضاً ج اول ص ۱۲۷، ۱۲۵ مطبع معارف اعظم گڈھ (نیز سورہ اعراف)

۶۔ ایضاً جلد اول ص ۱۶۴ تا ۱۶۷۔

۷۔ ایضاً ج ۱، ص ۱۸۷۔۱۸۹۔۱۳۳۔۱۳۰

۸۔ ندوی، سید سلیمان۔ تاریخ ارض القرآن، مطبع معارف اعظم گڈھ، طبع دوم ۱۳۴۲ھ، ص ۱۳۳۔

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً جلد اول۔ ص ۱۸۹۔۱۸۸

۱۱۔ صالح ثمود کے پیغمبر کا نام تھا۔ جن سے پہاڑ سے اونٹنی کا بچہ نکالنے کا معجزہ منسوب ہے۔ ایضاً، جلد اول، ص ۱۹۰۔

۱۲۔ ایضاً، جلد اول، ص ۱۹۹۔۱۹۸

۱۳۔ عراق کے لخمی قبیلے کی دور جاہلیت کی تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں۔ انکا نسب کچھ اس طرح ہے کہ "بنو لخم بن عدی بن الحارث بن مرہ بن اُدد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا"۔ عدی بن الحارث کے بارہ بیٹے تھے۔ الحارث اور اسکی اولاد بنو عاملہ، عمرو بن عدی اور اسکی اولاد بنو جزام اور مالک بن عدی یہ بنو لخم کہلائے۔ ان تینوں قبیلوں میں بنو لخم بلاشبہ ممتاز ترین ہی نہیں بلکہ قدیم ترین بھی تھا۔ اساطیر کی رو سے اسکا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے جاملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب انکے بھائی کنویں میں پھینک گئے تو انہیں جس شخص نے کنویں سے نکالا وہ ایک لخمی ہی تھا۔ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے بنو لخم کا زور ٹوٹ گیا تھا لیکن بنو عاملہ اور جزام کی اہمیت جنہوں نے بنوامیہ کے تحت کارنامے انجام دیئے بڑھ گئی تھی ہجرت نبوی سے دو صدی قبل لخمیوں کے بیشتر افراد جزیرہ نمائے عرب کے شمالی علاقوں مثلاً شام و فلسطین اور عراق میں آباد ہو گئے جہاں انہوں نے الحیرہ میں لخمی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جو ہمیشہ غسانیوں سے برسر پیکار رہتی تھی۔ قبیلہ جزام کی طرح انہوں نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت قبیلہ جزام شام کے لخمیوں کو جوان کے رشتہ دار تھے عملاً اپنے میں جذب کر چکے تھے اور یہ عمل پر امن اور باہمی سمجھوتے سے مکمل ہوا۔ پہلی صدی ہجری میں ان دونوں قبیلوں کو عموماً ایک ہی گروہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ جزامی کے مقابلے میں نسبت لخمی شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی تھی۔ لفظ لخمی اب عملاً ایک اعزازی لقب سے کچھ ہی زیادہ اہمیت کا حامل رہ گیا تھا۔ حقیقت میں لخم کا جزام سے علیحدہ کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب، جلد ۱۸، طبع اول ۱۹۸۵ء)

۱۴۔ قحطانی قبائل کے سلسلوں میں ایک قبیلہ بنو قرن (ازد) ہے انکی اولاد میں ایک شخص (مازن) گذرا ہے عمران کی نسل کہلاتی ہے۔ غسان ایک چشمہ کا نام ہے۔ جس کیطرف یہ لوگ منسوب کئے گئے اور اس خاندان سے بادشاہوں کا گھرانہ متولد ہے۔ (المعارف، ابن قتیبہ الدینوری، ص ۴۹۔۴۸)

۱۵۔ جبلہ ابن ایہم بوزنطی سلطنت کا حلیف تھا لہذا اس نے مسلمانوں سے دو جنگیں (دومۃ الجندل اور یرموک) لڑیں اور شکستیں کھائیں۔ یہ اسلامی نظریہ مساوات کی سختیوں کی تاب نہ لا کر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا تھا (نیز مزید تفصیل کے لیے دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷، مطبع دانشگاہ پنجاب، طبع اول ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲ کا مضمون اسلام۔ طبع اول ۱۹۸۰ء)

۱۶۔ نقوش رسول نمبر ج ۵، ص ۳۵ مضمون نگار ڈاکٹر نثار احمد بعثت نبوی کے وقت دنیا کا سیاسی نظام۔

۱۷۔ چھٹی صدی عیسوی کا ایک مشہور عرب شاعر ہے کہا جاتا ہے کہ امرؤ القیس سب سے پہلے شخص ہے جس نے عربی شاعری میں باقاعدہ فن قصیدہ کی بنیاد رکھی اور قافیے کے اصول متعین کیے۔ اس نے عربی شاعری میں جان ڈالدی۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ "امرؤ القیس شاعری کا زبردست ملکہ رکھتا تھا وہ فطری شاعر تھا۔ اس نے اپنے اشعار میں بعض ایسے مضامین بیان کئے ہیں جنکا پہلے رواج نہ تھا۔ انکے اسالیب بیان پر نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے کہ وسعت معلومات اور بکثرت سفروں کا نتیجہ ہیں۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۳، مطبع دانشگاہ پنجاب، طبع اول ۱۹۶۸ء)۔

۱۸۔ عہد اسلام میں حضر موت کا آخری بادشاہ حضرت وائل بن حجر تھا۔ شاہان عالم کے سلسلہ میں داخل کو عربی میں خط لکھا گیا تھا، وہ حضر موتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔ (تاریخ ارض القرآن، سید سلیمان ندوی، جلد ۱، ص ۲۳۵، مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۳۴۲ھ)۔

۱۹۔ ایضاً، جلد ۱، ص ۲۳۳، طبع دوم ۱۳۴۲ھ۔

۲۰۔ ایضاً، جلد ۱، ص ۲۱۵ تا ۲۱۷۔

۲۱۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں ہے۔ پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک ہوجاتا ہے۔ سبا کے لوگ مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند (سد) باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور زراعت کے مصرف میں آئے۔ مملکت سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے انمیں سب سے مشہور بند "سد مآرب" تھا۔ دو پہاڑوں کے بیچ (کوہ ابلق) میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں یہ بند تعمیر ہوا۔ جو کہ ۱۵۰ فیٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا تھا۔ (ندوی۔ سید سلیمان۔ تاریخ ارض القرآن۔ ج اول۔ مطبع معارف اعظم گڈھ طبع دوم ۱۳۴۲ھ، ص ۲۵۵۔۲۵۴)۔

۲۲۔ الدینوری نے لکھا ہے کہ اسکا نام ذونواس اس لیے پڑا کہ انکے ماتھے پر بالوں کی ایک لٹ لہراتی تھی۔ مارگولیتھ نے لکھا ہے کہ: زیادہ تر روایات کی رو سے صرف ذونواس ہی اکیلا یہودی بادشاہ ہوا۔ اور جب اس نے

مذہب تبدیل کیا تھا تو اس نے اپنا نام یوسف (Joseph) رکھا، جبکہ بعض ماخذ اور روایات اسے (Phineas) کے نام سے موسوم کرتے ہیں (نقوش رسول نمبر ﷺ۔ ج ۵، مضمون نگار ڈاکٹر پروفیسر نثار احمد۔ بعثت نبوی کے وقت دنیا کا سیاسی نظام)۔

۲۳۔ المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین بن علی، مروج الذہب و معادن الجوہر، طبع بیروت ۱۹۶۵ء، جلد اول، ص ۸۰۔۸۱

۲۴۔ ابرہہ، لفظ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے، بنکٹا تھا اسلیے اشرم کہلاتا تھا۔ یہ مذہباً عیسائی اور رومی غلام تھا، بعد میں شاہ حبش یلاصحہ کے خلاف جس فوج نے بغاوت کی تھی اسکا سردار بن گیا۔ (ندوی، سید سلیمان۔ تاریخ ارض القرآن، مطبع معارف، اعظم گڈھ، طبع دوم ۱۳۳۲ھ، جلد اول، ص ۳۱۷ تا ۳۱۹)۔

۲۵۔ ابن ہشام المعافری، ابی محمد عبدالملک، السیرت النبویہ لابن ہشام، مطبع الکلیات الازہریہ، جلد اول، ص ۵۵ تا ۵۷۔

۲۶۔ قصی کا اصل نام زید تھا۔ قصی کے معنی دور رہنے کے ہیں کیونکہ ان کے والد ہاشم کا انتقال اس وقت ہوا جب یہ چھوٹے تھے لہٰذا ان کی والدہ فاطمہ نے بنو عذرا کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی اور شام چلی گئیں، ساتھ قصی کو بھی لے گئیں۔ جوان ہونے تک یہ اپنے عزیز و اقارب و وطن سے دور رہے، جوان ہونے کے بعد مکہ واپس آئے جسکی وجہ سے انھیں قصی کہا جاتا ہے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری، طبع دار صادر بیروت، لبنان، جلد اول، ص ۶۷)۔

۲۷۔ نعمانی، شبلی، سیرت النبی، طبع معارف، اعظم گڈھ، طبع چہارم، جلد اول، ص ۱۳۹۔

۲۸۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، طبع مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن، طبع دوم، جلد اول، ص ۲۲۔۲۱

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۲ تا ۲۵

۳۰۔ نعمانی، شبلی۔ سیرت النبی، مطبع معارف، اعظم گڈھ، طبع چہارم، جلد اول، ص ۱۵۵۔

۳۱۔ حضرت ابراہیم، اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو مکہ لائے اور انہیں وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس اثنا میں قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ آ کر مکہ کی گھاٹیوں میں بس گئے۔ حضرت اسماعیل بنو جرہم کے بچوں کے ساتھ پلے بڑھے، تیر اندازی سیکھی اور انہیں کی زبان بولنے لگے۔ قبیلہ جرہم کے شخص مضاض بن عمرو کی بیٹی سے شادی کی جن سے حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ انہیں قیدار اور نبت تھے۔ نبت حضرت اسماعیل کا بڑا بیٹا تھا۔ اور اپنے باپ کے بعد وہی خانہ کعبہ (بیت اللہ) کا متولی ہوا اور اس کے بعد اسکا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب حضرت اسماعیل کی اولاد تعداد میں بڑھی تو مکہ کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو گئی اور "وہ" مختلف بستیوں میں پھیل گئے، وہ جس علاقے میں جاتے اللہ انہیں وہاں کے لوگوں پر غالب و فتح مند کر دیتا تھا۔ انہیں نے "عمالقہ" کو شکست دے کر نکال دیا تھا۔ (ابن قتیبہ، الدینوری، محمد عبداللہ بن مسلم، المعارف طبع قدیمی کتب خانہ آرام باغ،

کراچی، ص ۱۷۔۱۹)۔ نیز ابن ہشام المعافری، ابی محمد عبدالملک، طبع الکلیات الازہریہ، جلد اول، ص ۲۲،۲۲۱)۔

۳۲۔ فہر کا لقب قریش تھا، اس بناء پر اسکی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا۔ لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اسکا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جسکی معنی "اکتساب و تحصیل" ہے، کیونکہ اس خاندان کا اصل پیشہ تجارت تھا اسلیے قریش کے نام سے موسوم ہے۔ قریش ایک دریائی درندہ کا بھی نام ہے، جو دریائی جانوروں کو شکار کرتا ہے۔ فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کیلیے یہ لقب اختیار کیا۔ (ندوی، سید سلیمان۔ تاریخ ارض القرآن۔ ج اول۔ مطبع معارف اعظم گڈھ طبع دوم ۱۳۳۲ھ، ص ۱۰۰۔۹۹)۔

۳۳۔ نزار بن معد کے تین بیٹے تھے، جنھیں مضر کے بیٹے الیاس سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ مدرک، طابخہ اور قمعہ۔ قمعہ سے ایک لڑکا لحی پیدا ہوا، اور لحی سے عمرو، اور عمرو سے خزاعہ۔ یہی وہ عمرو بن لحی ہے جس سے عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کی بنیاد پڑی۔ (ابن ہشام المعافری، ابی محمد عبدالملک، طبع الکلیات الازہریہ، جلد اول، ص ۷۱، ۷۰۔۶۸)۔

۳۴۔ کعبہ کی تولیت کے حوالے سے مورخین دو تین روایتیں بیان کرتے ہیں:

۱) قصی نے حلیل کی بیٹی سے شادی کی، اسلیے کعبہ کی تولیت حاصل کر لی۔

۲) حلیل نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد کعبہ کی تولیت قصی کو دے دی جائے، لیکن بنو خزاعہ تیار نہیں ہوئے لہٰذا جنگ ہوئی اور اسکے بعد قصی نے کعبہ کی تولیت حاصل کی۔

۳) حلیل کے بعد اسکے بیٹے غبشان نے کعبہ کی تولیت شراب کے ایک مٹکے کے عوض قصی کو فروخت کر دی۔ (ایضاً، ص ۱۱۰)

۳۵۔ ابن قتیبہ، الدینوری، محمد عبداللہ بن مسلم، المعارف طبع قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، ص ۳۲۸۔

۳۶۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی طبع مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن، جلد اول، ص ۳۱ تا ۳۳۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۳۹۔۳۸

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۹، ۳۵۔

۳۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، طبع دار صادر بیروت، لبنان، جلد اول، ص ۷۵۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۷۸، ۷۶، ۷۵۔

۴۲۔ ایضاً، ۷۹۔

۴۳۔ ابن ہشام المعافری، ابی محمد عبدالملک، طبع الکلیات الازہریہ، جلد اول، ص ۳۱، ۳۲، ۳۶، ۳۳، ۳۰، ۳۷، ۳۴۔

۴۴۔ آلوسی، محمود شکری آلوسی۔ بلوغ الارب طبع دار الکتاب العربی، مصر، طبع سوم، جلد اول، ص ۲۵۸ تا ۲۵۱۔

۴۵۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر۔ اسلامی ریاست عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد، طبع الفیصل، غزنی اسٹریٹ،